وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام

جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔
پروفیسر دینیات، شعبۂ تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

وحدتِ ادیان کا تصوّر:

وحدتِ ادیان کے مروّجہ تصوّر کو مختصر طور سے ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ سارے مذاہب یکساں طور پر حق ہیں۔ ان میں باہم جو فرق ہے وہ حق و باطل کا نہیں بلکہ ان مذاہب کی نوعیت ایسے مختلف راستوں کی ہے جو ایک حقیقت تک رہنمائی کرتے ہیں۔ اس تصور کا لازمی نتیجہ یہ عقیدہ ہے کہ کسی بھی مذہب کو اختیار کرنا انسان کی نجات کے لیے کافی ہے اور ہر مذہب ایک ایسا صحیح راستہ یا صراطِ مستقیم ہے جو انسان کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔

اس تصور کی بنیاد:

ذرا سے غور و فکر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس تصور کے پس پشت یہ مفروضہ کام کر رہا ہے کہ موجودہ مذاہب کے فروق و اختلافات صرف سطحی اور اضافی ہیں، حقیقی اور واقعی نہیں۔ اہم ترین سوال یہ ہے کہ یہ مفروضہ خود اپنی جگہ حقیقت واقعہ ہے یا نہیں اور اس کی معقولیت ثابت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم مذاہب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان کا اہم ترین حصہ تمام اہل مذاہب کے نزدیک وہ ہے جو خیالات و افکار یا عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور جس کے بغیر خود ان مذاہب کے ماننے والوں کے خیال میں مذہب کا وجود و عدم یکساں ہو جاتا ہے۔ ان افکار و عقائد پر ایک سرسری نظر ہی اس امر کو واضح کر

کے لیے کافی ہے کہ ان کا اختلاف کوئی سطحی اور غیر حقیقی اختلاف نہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کا عقیدۂ توحید جو انسانی شرف کی ضمانت دیتا اور انسان کو کائنات کی ہر شے سے اونچا اٹھاتا ہے اور بدھمت کی خدا کے بارے میں مکمل خاموشی جس کا نتیجہ بالآخر کائنات میں انسان کے مقام کو غیر واضح چھوڑ دیتا ہے؟ انسان کا اپنے ارادی اور اختیاری افعال کا پورے طور پر ذاتی حیثیت سے ذمہ دار ہونا اور یہ عقیدہ کہ بنی نوع انسان کی طرف سے اس کے افعال کا کفارہ کوئی دوسری ہستی بن چکی ہے یا بننے والی ہے اور نتیجتاً وہ ان کی ذمہ داری سے بری ہو چکا ہے؛ انسان اور کائنات کا ربط خدا سے خالق و مخلوق کا ربط ہے اور دونوں میں کسی طرح کی کوئی مشارکت و مشابہت نہیں پائی جاتی جو بنیاد ہے عبادت کے تصور کی، اور یہ عقیدہ کہ اس کائنات کا ہر جزء خود خدا ہے جو عبادت کے تصور کی کلیتاً نفی کر دیتا ہے؛ انسانی نوع کے افراد میں اونچ نیچ کا معیار صرف اس کا اختیاری فکر و عمل ہے نہ کچھ ایسی خصوصیات جو انسان کے اختیار سے بالکلیہ باہر کی چیزیں ہیں مثلاً رنگ، نسل، قومیت وغیرہ جس کے نتیجے میں ایک طرف تو مذہب ہر شخص کے لیے عام ہو جاتا ہے اور بنی نوع انسان کے ہر فرد کو نجات حاصل کرنے کی طرف دعوت اور اس کی ضمانت دے دی جاتی ہے جب کہ اول الذکر یہ خیال کہ معیار فضیلت وہی امور ہیں جو اس کے اختیار میں نہیں جس کے ذریعے مذہب اور مذہبی فضائل کے حصول کو چند انسانوں کے لیے مخصوص کر کے بقیہ تمام انسانوں پر مذہب کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے؛ ان باہم متضاد و متناقض خیالات و عقائد کے بارے میں یہ سمجھنا کہ ان کے باہمی فروق صرف سطحی فروق ہیں حقیقی نہیں، نہ صرف اہل مذاہب کے نزدیک بلکہ کسی بھی صاحب بصیرت کی نظر میں ایک احمقانہ فعل سے زیادہ نہیں۔ ہم حقیقی اور سطحی اختلاف میں یہی تو فرق کرتے ہیں کہ حقیقی اختلافات وہ ہیں جن میں باہم تضاد پایا جاتا ہو یعنی ان کا ایک جگہ ایک وقت میں اجتماع ناممکن ہو اور اگر ایک جانب کو صحیح تصور کیا جائے تو دوسرے کو غلط ماننا ہر صاحب عقل و ہوش کے نزدیک ضروری ہو اور صحیح اور غلط کے اس فرق کو تحلیل کے آخری مرحلے میں کسی طرح مٹا دینا بجز اس کے اور کسی طرح ممکن نہ ہو کہ عقل نام کی شے کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ اس کے برخلاف سطحی اختلافات ہم ان کو

کہتے ہیں کہ باوجود ظاہری طور پر مختلف ہونے کے ان دونوں کا باہمی فرق عمل تحلیل کے آخری مرحلے میں کلیتاً مٹ جائے اور ان میں کوئی تضاد باقی نہ رہے، دوسرے الفاظ میں دونوں کا اجتماع بیک وقت و بیک مقام درست ہو سکے اور جانبین میں صحیح و غلط کا فرق باقی نہ رہ جائے۔ یہ فرق تضاد و تناقض (Contradictories) کا فرق کہلائے گا، نہ کہ تباین (Contraries) کا جس میں ایک کے درست ہونے سے دوسرے کا غلط ہونا لازم نہیں آتا۔ مثال کے طور پر کوئی چیز اگر سیاہ نہیں تو ضروری نہیں کہ وہ سفید ہو۔ قطعاً ممکن ہے کہ وہ سرخ ہو۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مذاہب کے مذکورہ اہم ترین حصوں میں یعنی عقائد و افکار میں وہ اختلافات پائے جاتے ہیں جنھیں عمل تحلیل کے آخری مرحلے میں کسی طرح مٹایا نہیں جاسکتا۔ یہ فروق و اختلافات تضاد و تناقض کے اختلافات ہیں چنانچہ یہ جوہری، حقیقی اور بنیادی اختلافات ہیں۔ اوپر ذکر کی ہوئی کسی ایک مثال کو لے کر اس کا تجزیہ و تحلیل کیجئے، یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر یہ عقیدہ کہ یہ کائنات خدا کے وجود کا ایک حصہ ہے یا بحیثیت مجموعی خود خدا ہے یا اس کا ہر جز اپنی جگہ خدا ہے لازمی طور پر اس تصور کو جنم دیتا ہے کہ اس کائنات کی بحیثیت مجموعی یا فرداً فرداً اس کے ہر جز کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عرفان ذات (Self realization) کے حصول کی کوشش کرے اور اس عرفانِ ذات کے ایک مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد، بالفاظ دیگر اس حقیقت کی دریافت کے بعد کہ میرا وجود بعینہ اور حقیقتاً وجود خداوندی ہے اس سلسلے کی ہر جد و جہد سے بے نیاز اور اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ اس مقصد کے حصول کی یہ کوششیں گیان دھیان اور فکر سے ہی تعبیر کی جاسکتی ہیں۔ ان کوششوں کا آخری نقطہ سکونِ محض ہے جو عبارت ہے نفی محض سے لیکن اس کے برخلاف یہ عقیدہ کہ خدا اور کائنات دونوں دو علیحدہ حقیقتیں ہیں، چاہے ایک حقیقت کا وجود دوسرے کے مقابلے میں کتنا ہی مضمحل کیوں نہ ہو، ان میں ربط خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کا ہے، اس تصور کو جنم دیتا ہے کہ اس کائنات کی بحیثیت مجموعی

نیز فرداً فرداً اس کے ہر جزو کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق کی عبادت کرے، انتہائی فگندگی کے ساتھ اپنے مکمل وجود کو ملوکانہ طریق سے اس کے حوالے کر دے اور اس کی اطاعت میں دل وجان سے سر توڑ کوشش کرے۔ اس حقیقت کا ادراک کہ خدا سے اس کا ربط عبد ومعبود کا ہے، عبادت واطاعت کی ایک غیر مختتم جدوجہد کو وجود بخشتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کی کوششیں گیان دھیان نہیں عبادت سے تعبیر کی جاتی ہیں۔ اس کا آخری نقطہ حرکت محض ہے۔ (اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۔ القرآن) جو عبارت ہے اثبات محض سے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ دو مختلف مذہبی عقیدے جن میں سے پہلا ہندومت سے متعلق ہے اور ویدانت کے نام سے موسوم ہے اور دوسرا اسلام سے اور عقیدۂ توحید کہلاتا ہے آپس میں اس طرح کا اختلاف رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی تعبیر وتاویل کے ذریعہ دونوں کو بیک وقت صحیح ودرست کہا جا سکے۔ ان میں سے ایک کو صحیح تسلیم کرنا دوسرے کو غلط تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔ ابتداء سے انتہا تک ہر قدم پر دونوں میں ناقابل تطبیق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کیا عقل وخرد اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہے کہ یہ بات کہ کائنات خود خدا ہے اور یہ امر کہ کائنات الوہیت سے کسی درجے میں نہ متصف ہے نہ اس کا کوئی امکان ہے؛ خدا کائنات سے ماوراء ایک حقیقت ہے، دونوں میں تعلق خالق ومخلوق کا ہے اور دونوں میں ایک دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی، یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کا فرق حقیقی نہیں سطحی ہے۔ پھر انسانی زندگی پر دونوں کے جو متضاد اثرات نمایاں ہوتے ہیں نیز انسانی زندگی کا جو مقصد ومطمح نظر قرار پاتا ہے کیا ان دونوں کو آپس میں بقیام عقل وہوش ایک دوسرے سے تطبیق دی جا سکتی ہے۔ اگر یہ اختلاف حقیقی نہیں ہے تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس کائنات کی کون سی دو چیزوں میں حقیقی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر تو یہ کہنا پڑے گا کہ زندہ ومردہ، نور وظلمت، حق وباطل سب ایک ہیں۔ یہ نقطۂ نظر کہ یہ مذہبی عقائد وافکار صرف سطحی اور لفظی طور سے مختلف ہیں۔ سرے سے اس بات کی بنیاد ڈھا دیتا ہے کہ حق اور

باطل آپس میں دو متخالف و متضاد اور متناقض باتیں ہیں اور یہ بات ہی مشکوک ہو جاتی ہے کہ حق اور خیر یا باطل اور شر کا سرے سے کوئی وجود اس عالم میں پایا بھی جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ذرا سوچیے تو معلوم ہو گا کہ یہ نقطۂ نظر کہ مذہبی اختلافات حقیقی نہیں، خود نفس مذہب کی بنیاد پر تیشہ چلاتا ہے۔ اگر مذاہب کے یہ اختلافات غیر حقیقی، لفظی اور سطحی ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مذہب بے معنیٰ ہے۔ اگر یہ بات درست ہے کہ توحید و شرک، اخوت و مساوات انسانی اور رنگ و نسل اور ذات پات کے فرق، انسان کا اپنے افعال کے لیے ذمہ دار ہونا اور کسی دوسری ہستی کا اس ذمہ داری سے اسے بری کر دینا، انسان کا الوہی صفات سے متصف ہونا یعنی عقیدۂ اوتار اور انسان کا الوہی پیغام رسانی کا ذریعہ ہونے ہوئے محض بشر ہونا، یہ سب باتیں بیک وقت صحیح اور درست ہیں اور اپنی جگہ سب حق ہیں تو کیا یہ کہنے میں کسی کو باک ہو سکتا ہے کہ یہ سارے تصورات ہی بے معنی ہیں کیونکہ ان کو بامعنی ماننے کا مطلب تو صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان میں اختلافات حقیقی اور بنیادی ہیں۔ اس کے علاوہ کیا مذکورہ موقف سے ایک قدم اور بڑھا کر یہ کہنا عقل و دانش کے تقاضوں کے خلاف ہو گا کہ خدا کا ہونا اور نہ ہونا، مذہب کا ضروری ہونا اور بیکار محض ہونا یہ اختلافات بھی سطحی اور لفظی ہیں اور کیا یہ دعویٰ کرنا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا نہیں ہے کہ یہ ساری باتیں محض بے معنیٰ ہیں اور یہ وہ الفاظ ہیں جو شرمندۂ مفہوم نہیں۔ ہماری اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذاہب عالم کے اختلافات کے حقیقی اور واقعی ہونے کا انکار اور اس بات کا دعویٰ کہ ان کی نوعیت صرف سطحی اور لفظی اختلافات کی ہے، دراصل یا تو نفس مذہب کے خلاف ایک سازش ہے یا عقل و ہوش سے بیگانگی کا مظاہرہ۔

یہاں یہ دریافت کیا جا سکتا ہے اور بجا طور سے کہ مذہب کے باقی شعبے جو کم اہم نہیں ہیں یعنی اس کی اخلاقی اقدار اور اس کے ظاہری اعمال ان دونوں کے بارے میں تو اس قدر قطعیت کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک اخلاقی اقدار کا تعلق ہے وہ

کم وبیش تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں اور ان میں اس نوعیت کے اختلافات نہیں ملتے جن کا ذکر کیا گیا۔ ظاہری اعمال و افعال میں بھی یکسانیت مل جاتی ہے۔ اس کے بارے میں مختصر طور سے صرف اتنا عرض کیا جاتا ہے کہ اخلاقی اقدار اور خارجی اعمال و افعال کی یہ کم وبیش ظاہری یکسانیت ہی وحدت ادیان کے نظریے کے بارے میں غلط فہمی کا منشا رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ افکار و عقائد کے مذکورہ بالا جوہری فرق کے پیش نظر اس ظاہری یکسانیت کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اخلاقی اقدار اور اعمال و افعال کا پورا پس منظر اور ماحول ان فرق کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے اور نتیجہ کے طور پر یہ دونوں بہت شدید طریقے سے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں اگر ہم ذرا غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اخلاقی اقدار کے مشمولات اور ان کی تفصیلات ناقص، کامل اور کامل تر کے نقطۂ نظر سے مختلف مذاہب میں بے پناہ فرق رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر شجاعت، توکل، حیا، علم وغیرہ جیسے اخلاق کو اگر مختلف مذاہب کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ان کے مشمولات اور ان کی تفصیلات کے بارے میں مختلف مذاہب میں بہت فرق ملے گا اور اس چیز کا اثر بہر حال پوری مذہبی زندگی پر ناقابل انکار ہے۔ اعمال کی یکسانیت بھی ظاہر ہے کہ اگر فکر و عقیدہ کی یکسانیت سے صادر نہیں ہوئی ہے تو کچھ زیادہ قابل اعتنا چیز نہیں۔

نظریۂ وحدتِ ادیان کے محرکات

یہاں پہنچ کر یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر پھر وہ کون سے محرکات ہیں جنھوں نے اس نظریہ کو جنم دیا کہ اپنی موجودہ شکل میں مختلف مذاہب ایک ہی حقیقت تک رسائی کے مختلف ذریعے اور راہیں ہیں، درآں حالیکہ ان میں جوہری فرق اور بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ تاریخ مذہب کے انتہائی اہم اور دلچسپ سوالوں میں سے ہے اور ہم ذیل میں اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے:

ا۔ جذبۂ رواداری | قلب انسانی کی عظمت ایک نہایت عظیم اور لطیف جذبہ اور براہ راست انسانیت کا تقاضا ہے کسی کا دل ہمارے کسی قول و فعل سے نہ دکھے یہ انسانیت کی ایک عزیز ترین متاع ہے۔ اس جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے قول و فعل میں اتنا محتاط ہو کہ دوسرے انسانوں کو ہر ممکن ایذا دہی سے محفوظ رکھے لیکن جیسے ہر پاکیزہ جذبہ جب حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے غلط نتائج برآمد ہوتے ہیں ویسے ہی اس جذبے کے ساتھ بھی ہوا۔ باطل کو باطل کہنے سے کسی کا دل دکھتا ہے اس لیے اسے باطل نہ کہو، یہ اس جذبے کی غلط روی اور اس کا غلط اظہار ہے۔ مذہبی افکار و عقائد کے ابطال و تغلیط سے سب سے زیادہ انسان کے جذبات مجروح ہوتے ہیں چنانچہ جذبۂ رواداری کے مظاہرے کے طور پر وحدتِ ادیان کے نظریے کا سہارا لے کر باطل اور حق کے سارے امتیازی فرق پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حالانکہ دل نہ دکھانے کے جذبے کا تقاضا صرف اس سے پورا ہو جاتا ہے کہ کسی کے جذبات کو مجروح نہ کرنے کے عزم کے ساتھ نہایت مناسب اور معقول طرز سے باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا جائے۔ باطل کو باطل نہ کہنا انسان دوستی اور رواداری نہیں بلکہ بدترین انسان دشمنی ہے۔ مذہبی عقائد کی غلطیوں اور ان کے ابطال کو ہمدردی اور رواداری کے پردے میں چھپا لینا پوری انسانیت کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ وحدتِ ادیان کے نظریے کے ذریعہ اس گمراہ کن کوشش کو سہارا دینا اور اس کی تاویل یا فلسفیانہ بحث و گفتگو کی بھول بھلیوں میں ڈال دینا مذہب کی تاریخ میں انسانیت کو غلط روی پر آمادہ کرنے اور پھر اس غلط روی کی معقولیت ثابت کرنے کی بدترین مثالوں میں ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نظریۂ وحدتِ ادیان درحقیقت رواداری اور احترام قلب انسانی کے مریضانہ جذبے کے، حق کے ساتھ جذبۂ وفاداری کو کمزور کر کے اس پر فتح پا لینے کا دوسرا نام ہے۔ جب محبتِ حق اور اظہارِ حق کا جذبہ ضعیف ہو کر رواداری کا یہ غلط

تصور انسان کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے تب ہی نظریۂ وحدتِ ادیان جنم لے سکتا ہے اس لیے پہلے ہرگز نہیں۔ حالانکہ حق کے ساتھ وفاداری ہر دوسرے رشتے اور جذبے پر مقدم ہونا چاہیے، اور اس جذبے کا براہِ راست تقاضا یہ ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل بےلاگ طریقے سے کہا جائے مگر مناسب ڈھنگ، صحیح نیت اور نوعِ انسانی کی حقیقی اور مکمل ہمدردی کے ساتھ۔

۲۔ اختلافات کو ختم یا کم کرنے کا جذبہ | یہ ظاہر ہے کہ مذہبی اختلافات میں جو شدت ہوتی ہے وہ دیگر اختلافات میں کم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مذہب کا تعلق انسان کے پورے وجدان جذبات اور داخلی زندگی سے نہایت مضبوط قسم کا ہوتا ہے، چنانچہ جب کبھی یہ اختلافات اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہیں انسانی معاشرے میں نہایت سخت قسم کا بحران پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ ایک مستحسن جذبہ ہے کہ اختلافات کچھ حدود کے اندر رہیں اور ان کے غلط طریقے سے اظہار سے انسان کا امن و سکون درہم برہم نہ ہو مگر اس جذبے کے غلط مظاہرے نے ان نیک نیت لوگوں کو ایک دوسری غلطی پر آمادہ کردیا۔ سمجھا یہ گیا کہ اگر لوگوں کے ذہنوں پر یہ بات مرتسم کردی جائے کہ یہ مذہبی اختلافات سرے سے حقیقی اختلافات ہی نہیں، سارے مذاہب درحقیقت مختلف عنوان سے ایک ہی حقیقت کے قائل اور طالب ہیں تو ان اختلافات کی شدت کم ہوجائے گی، چنانچہ وحدت ادیان کا نظریہ پیش کردیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ایک نہایت اہم مسئلے کا صد در صد غلط حل تھا۔ فکرِ انسانی کے اختلافات اگر وہ ذاتی منفعت پرستی کا نتیجہ نہیں ہیں تو انسانی ذہن کی ایک صحت مند اور قابلِ ستائش جدوجہد کا ثمرہ ہیں۔ یہ اختلافات فی حد ذاتہا کوئی بری چیز نہیں۔ ہاں ان کے حدود کو ملحوظ نہ رکھنا اور انھیں تخریب کاری کا ایک ذریعہ بنا لینا، دراصل یہ وہ چیز ہے جو قابلِ مذمت ہے چنانچہ اس کا جو صحیح طریقہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ لوگوں کو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ غور و فکر پر آمادہ کیا جائے، نیز اس بات کی تعلیم کہ غور و فکر کے تمام نتائج کو حق اور درست تسلیم کرنا چاہیے

چاہے آپس میں کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ اختلافات کو کم کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حق کو حق تسلیم کیا جائے اور باطل کو باطل کہا جائے۔ اور حق کی طرف پورے خلوص اور معقولیت سے دعوت دی جائے، نہ یہ کہ حق و باطل کے سارے حقیقی امتیازات کو کالعدم قرار دے کر ان دونوں کو ایک ہی حقیقت کے مختلف رُخ قرار دیا جائے۔

۳۔ تلاشِ حق کی صعوبتیں | حق و باطل کو ایک ہی چیز قرار دے دینے کی وجہ بعض اوقات یہ بھی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش اس کائنات کا دشوار ترین کام ہے۔ اس میں نہ صرف ذاتی اور گروہی عصبیتوں کے کانٹے رہرو راہ حق کے پاؤں کو لہولہان کرتے ہیں بلکہ ہر طرح کی قربانیاں اس کے لیے دینا پڑتی ہیں۔ پسند و ناپسند کے اپنے رجحانات، رچے ہوئے رسم و رواج، فکر و نظر کے رائج زاویے، ہر قدم پر دامن گیر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس ہفت خواں کے طے کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اکثر اوقات سہل پسندی اور سہل انگاری سے کام لے کر کمترین منازعت کی راہ اختیار کرتے ہوئے حق و باطل کے فرق کا انکار کر دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ وحدتِ ادیان کے نظریے کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اپنی ذہنی پستی اور فکر و نظر کے دیوالیہ پن، تلاش حق کے جذبے کی کمزوری یا فقدان پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں۔

۴۔ اخلاقی جرأت کی کمی | بعض اوقات انسان حق و باطل کے جوہری فرق کو پورے طور پر سمجھتا ہے تاہم وہ حق کو حق اور باطل کو باطل علی الاعلان کہنے سے اس وجہ سے گریز کرتا ہے کہ اس طرح کچھ خاص افراد، گروہوں یا طبقات کی ہمدردیاں اسے حاصل رہیں گی، کم از کم وہ ان کا معتوب نہ ہوگا اور جو مقام اسے ان کی نگاہوں میں حاصل ہو گیا ہے اس سے وہ محروم نہ ہوگا۔ ایسے لوگ بڑے اطمینان سے نظریۂ وحدتِ ادیان کو اختیار کر کے ضمیر فروشی کرتے رہتے ہیں، اور اپنے تمام افعال و اعمال کو معقول ثابت کرنے کے لیے ایک فلسفیانہ توجیہ فراہم کر لیتے ہیں۔

۵۔ مصالحت پسندی کا جذبہ | حق اور باطل میں واضح طور پر فرق کرنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں اور ایک شدید نظریاتی اور اخلاقی کشمکش کا آغاز ہو جاتا ہے، تا آنکہ حق کی قوت باطل پر غالب آجائے۔ بعض کج فہم لوگ خود اس صورت حال کو فساد تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان اختلافات کو دھندلا اور غیر واضح کر دیا جائے یا اسے غیر حقیقی اور لفظی قرار دے کر ٹال دیا جائے تو اس فساد کا سرچشمہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ نظریۂ وحدت ادیان کو پیش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جس چیز کو وہ فساد سمجھ رہے ہیں وہی حقیقی اصلاح ہے۔ فساد کی جڑ یہ ہے کہ حق اور باطل کو گڈمڈ کر دیا جائے جس کے نتیجے میں انسان کے اخلاقی شعور کا دیوالہ نکل جائے۔ اس کے برعکس جو چیز اخلاقی شعور کو نقطۂ اوج پر پہنچانے والی ہے وہ حق و باطل کا روشن فرق ہے۔ باطل سے اس طرح سمجھوتہ کر لینا اور اصولوں اور حق کے عوض مصلحتوں کا سودا کر لینا انسانی سیرت میں منافقت کو جنم دیتا ہے اور انسانی سیرت کا یہ دوڑخاپن اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک باطل سے غیر مشروط جنگ نہ کر لی جائے۔ نظریۂ وحدتِ ادیان کو سماجی میدان میں نسلی، ملی اور سیاسی بنیاد پر اتحاد کے حصول کے آلۂ کار کے طور پر بارہا استعمال کیا گیا ہے مگر اس کا نتیجہ صرف وقتی اتحاد کے علاوہ کسی پائدار اور دائمی اتحاد کی صورت میں کبھی نہیں نکل سکا۔ دائمی اور پائدار اتحاد صرف حق و باطل کے فرق کو تسلیم کر لینے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔

۶۔ تلاش حق اور حصولِ حق میں عدم امتیاز | جن حضرات نے تلاشِ حق میں سخت ترین جد و جہد کی وہ ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بعض اوقات غلط فہمی کا سامان بن گئی۔ نیک نیتی کے ساتھ تلاشِ حق کی کوشش اپنی جگہ درست اور صحیح مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کوشش کے نتیجے میں لازمی طور پر حصولِ حق ہو بھی گیا ہو۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ تلاشِ حق کی جد و جہد، اس کے لیے قربانیاں، نیک نیتی وغیرہ یہ تمام باتیں ایک دیکھنے والے کو بعض اوقات یہ غلط تاثر دے دیتی ہیں کہ اس شخص نے حق کو حاصل کر لیا تھا۔ اس کے

نتائجِ جد و جہد کا جب وہ بعض دوسرے لوگوں کی کوششوں کے متضاد نتائج سے مقابلہ کرکے دیکھتا ہے تو بعض اوقات اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ ان دونوں نے حق کے دو مختلف رخ دریافت کیے تھے اور نظریۂ وحدتِ ادیان کا قائل ہو جاتا ہے، حالانکہ صرف جد و جہد قربانیاں اور نیک نیتی ہی کسی کے حق ہونے کی کافی دلیل نہیں ہیں۔

وحدتِ ادیان کے مذکورہ تصور کی مضرتیں:

۱۔ انسان کے اخلاقی شعور کا زوال | انسان اور جانور میں بڑا فرق اخلاقی شعور کا ہے۔ خیر و شر کا احساس، اور اس کی بنیاد پر اپنے اعمال کا جواب دہ اور ذمہ دار ہونا یہ وہ چیز ہے جو انسان کو حیوان سے متمیز کرتی ہے۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ حق اور باطل اور خیر و شر میں فرق نہ کرنے اور انھیں ایک ہی چیز سمجھنے پر مبنی ہے لیکن ان دونوں کو ایک قرار دینا انسان کے اخلاقی شعور کا جنازہ نکال دینے کے مترادف ہے اور اسے انسان کے دائرے سے نکال کر حیوان کے دائرہ میں شامل کر دینے کی کوشش۔ حق و باطل کے بارے میں انسان جس قدر شدید ذکاوتِ احساس کا مالک ہوگا اسی قدر اس کی انسانیت نکھری ہوئی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی اور وہ انسانیت کے مثلِ اعلیٰ کے قریب تر ہوگا۔ اور اس کے برخلاف اس بارے میں احساسات کا کند ہو جانا اسے اسی نسبت سے حیوان اور جانور سے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے۔

۲۔ عقل و فہم کا تعطل | یہ نظریہ لازمی طور سے فکر و فہم کی قوتوں کو مفلوج کرتا ہے۔ انسانی عقل و فہم کا اولین وظیفہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنا ہے۔ اور جب ہر خیال، عقیدہ اور فکر کو یکساں طور پر حق اور درست سمجھ لیا جائے تو عقل انسانی اپنے بنیادی عمل سے محروم ہو جاتی ہے اس کے بعد آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور ماحول میں رچے ہوئے خیالات و عقائد ہی انسان کا تمام تر سرمایہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عقل کا یہ تعطل انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے جس کے بعد انسان بغیر صحیح و غلط کی تمیز کیے افکار و خیالات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۳- مصلحت پسندی کا نظریۂ حیات بن جانا۔ اخلاقی شعور اور عقل و فہم کو معطل کر دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ انفرادی یا گروہی تعصبات اور نچلے درجے کی مصلحت پسندیاں زندگی کا شعار بن کر رہ جاتی ہیں۔ حق و باطل کا فرق اٹھ جانے کے بعد مفاد پرستی کے لیے کھلا ہوا میدان انسان کے لیے مل جاتا ہے۔

۴- انسانی زندگی کا پائیدار بنیادوں سے محروم ہو جانا۔ حق و باطل کا احساس اور حق کی حمایت کرنے کے لیے سب کچھ تج دینے کا جذبہ انسانی زندگی کو ایک پائیدار بنیاد پر کھڑا کرتا ہے۔ نظریۂ وحدتِ ادیان انسانی زندگی کو اس قوتِ محرکہ سے یکسر محروم کر دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

عرب دنیا

اردو داں طبقہ کی اکثریت کو عرب اور بلادِ عرب سے ایک دلی تعلق ہے مگر اردو میں ان ممالک کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کے سلسلے میں مولانا محی الدین الوائی ایم۔ اے (الازہر۔ قاہرہ) کی یہ کوشش یقیناً پسند کی جائے گی۔ الوائی صاحب نے خلیجِ فارس سے مراکش تک پھیلے ہوئے تمام عرب ممالک کے عام ملکی، جغرافیائی، ثقافتی، اور معاشرتی حالات، اقتصادیات اور آج کی رواں تحریکات کا مکمل جائزہ لیا ہے۔ ابتداءِ کتاب میں ایک رنگین نقشہ بھی ہے جس سے عرب ممالک کے محل وقوع پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ صفحات ۱۱۴۔ قیمت -/۷ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶